(۴۶)

(فرمودہ ۹؍جولائی ۱۹۵۷ء بمقام مسجد مبارک ربوہ)

یہ عید عیدالاضحیہ کہلاتی ہے یعنی اس میں جانوروں کی قربانیاں کی جاتی ہیں۔ ہم قادیان میں اس طرح کیا کرتے تھے کہ قربانیاں جمع کر لیا کرتے تھے اور پھر ان کا گوشت تمام محلوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ انتظام اس لئے کیا جاتا تھا کہ تا قربانی کا گوشت ہر غریب اور امیر کے گھر پہنچ جائے یہاں ابھی اس طریق پر انتظام مکمل نہیں ہوا لیکن چونکہ انڈونیشیا میں قادیان کے پڑھے ہوئے طالب علم گئے ہیں اس لئے وہاں جماعت نے یہ انتظام کیا ہوا ہے کہ ہر احمدی اپنی قربانی مرکز میں پہنچا دیتا ہے اور آگے تمام احمدیوں کی لسٹ بنا لیتے ہیں اور ایک انتظام کے ماتحت ان میں گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اب یہاں فوری طور پر تو سارا انتظام مشکل تھا تاہم ایک بکرا تو میں نے قادیان میں کروا دیا اور پانچ دنبوں کے متعلق یہ ہدایت دے دی ہے کہ انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت پانچ محلوں کے عہدیداروں کو دے دیا جائے کہ وہ اپنے طور پر تقسیم کر دیں۔ مگر ہونا یہاں بھی یہی چاہیئے کہ لوگ قربانی کا گوشت اکٹھا کریں اور ایک نظام کے ماتحت شہر کے لوگوں میں تقسیم کریں۔ آخر یہاں بھی خدا تعالےٰ کے فضل سے جماعت بڑھ رہی ہے اور لوگ باہر سے بھی قربانیاں بھجوا دیتے ہیں۔ کچھ مدت پہلے ربوہ میں یہ دستور رہا تھا کہ لوگ اپنی قربانیاں لنگرخانہ میں دے دیتے تھے۔ مگر ہر مہمان لنگرخانہ میں نہیں ٹھہرا ہوتا۔ کئی مہمان گھروں میں بھی ٹھہرتے ہیں اور پھر صرف مہمان ہی قربانی کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ ربوہ کے مقیم لوگ بھی قربانی کے مستحق ہیں۔ اس لئے انتظام ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ گوشت اکٹھا کر لیا جائے اور اس میں سے ایک مناسب مقدار لنگر کو دے دی جائے۔ اور باقی گوشت تمام شہر کے لوگوں کی لسٹ بنا کر ان میں تقسیم کیا جائے۔

گرمی کی شدت اور تکلیف کی وجہ سے میں نے آج مصافحہ کے لئے بھی بعض خاص ہدایات دی ہیں پہلے تو میں نے ہدایت دیدی تھی کہ مصافحہ نہیں ہوگا لیکن پھر میں نے خیال کیا کہ عید کے موقعہ پر قدرتی طور پر لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش ہوگی کہ وہ مصافحہ کریں۔ اس لئے میں نے مصافحہ کے لئے بعض ہدایات دے دی ہیں ان کے ماتحت منتظمین صف وار مصافحہ کرائیں گے لیکن کسی کو انتظار نہیں کرنے دیا جائے گا۔ پچھلی عید پر میں نے دیکھا تھا کہ کوئی ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑا تھا۔ لوگوں کو دھکے دے کر آگے لایا جاتا تھا اور قریب آکر کوئی ادھر کھسک جاتا تھا کہ میں آخر میں مصافحہ کروں گا اور کوئی اُدھر کھسک جاتا تھا کہ کسی طرح اسے زیادہ موقعہ مل جائے۔ یہ

طریق دوسروں کے حقوق کو بھی ناجائز طور پر تلف کرنے والا ہے اور خود اپنی جماعت اور امام کو بھی تکلیف میں ڈالنے والا ہے اس لئے مَیں نے کہدیا ہے کہ کسی کو انتظار میں مت بیٹھنے دو منتظمین پہلے پہلی صف والوں کو مصافحہ کرا دیں اور وہ باہر چلی جائے پھر دوسری صف والوں کو مصافحہ کرائیں جب وہ باہر چلے جائیں تو تیسری صف والوں کو مصافحہ کرائیں۔ جب وہ باہر چلے جائیں تو چوتھی صف والوں کو مصافحہ کرائیں جتنے لوگ مصافحہ کرلیں ،کرلیں۔ جو رہ جائیں رہ جائیں کسی کو یہ اختیار نہ ہو کہ وہ مرضی سے آگے جاتے۔ جو پہلی صف والا پہلے مصافحہ نہیں کرنا چاہتا وہ باہر جا کر بیٹھ جائے اور انتظار کرے پھر بعد میں اسے موقعہ مل جائے تو مصافحہ کرلے ورنہ صبر کرے۔

یہ عید جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا ہے قربانیوں کی عید ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی یاد میں ہے[۱]۔ مَیں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی یہ نہیں تھی جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہیں ذبح کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے زمین پر لٹا دیا تھا لیکن بعد میں خدا تعالیٰ سے الہام پا کر آپ نے ذبح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور الٰہی اشارہ کی بناء پر ان کی جگہ ایک بکرا ذبح کر دیا۔ مَیں بارہا بتا چکا ہوں کہ درحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وادیٔ مکہ میں چھوڑ آنے کے متعلق یہ رؤیا دکھائی گئی تھی۔ کیونکہ ایک بے آب وگیاہ وادی میں بیٹھ جانا بھی بہت بڑی قربانی ہے۔ جیسے شروع شروع میں ربوہ میں چند آدمی خیمے لگا کر بیٹھ گئے تھے تا کہ اسے آباد کیا جائے[۲]۔ وہ آدمی درحقیقت اس وقت اسمٰعیلی سنّت کو پورا کر رہے تھے، وہ صرف اس لئے یہاں بیٹھ گئے تھے کہ آئندہ یہاں ربوہ آباد کیا جائے۔ اگر وہ قربانی نہ کرتے اور ربوہ میں آکر خیمے لگا کر نہ بیٹھ جاتے تو نہ یہ شہر بنتا نہ سڑکیں بنتیں نہ بازار بنتے، نہ مکانات بنتے اور یہ جگہ پہلے کی طرح چٹیل میدان ہی رہتی۔

امریکہ میں جو فری تھنکنگ (FREE THINKING) کی تحریک پیدا ہوئی ہے اس کا بانی ایک فرانسیسی شخص ہے اس نے اپنا قصہ یہی لکھا ہے کہ مَیں ایک دن اپنے باپ کے ساتھ ایک پادری کا وعظ سننے گیا تو وہاں اس نے یہ کہا کہ ابراہیمؑ بڑا نیک انسان تھا اس نے خدا کی خاطر اپنے اکلوتے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دی۔ وہ لکھتا ہے کہ اتفاق کی بات ہے مَیں بھی اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا ہی تھا میں وہاں سے نکل کر بھاگا۔ میرے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر میرے باپ کو یہ خطبہ پسند آگیا تو وہ کہیں میری گردن پر بھی چھری نہ پھیر دے۔ مَیں سمندر پر گیا وہاں ایک امریکہ جانیوالا جہاز کھڑا تھا مَیں اس میں گھس گیا اور کسی کونہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور اس طرح امریکہ پہنچ گیا۔ یہاں آکر میں نے یہ دہریوں والی تحریک جاری کی[۳]۔

غرضیکہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی قربانی کو غلط شکل میں پیش کیا جاتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رؤیا کا یہ مطلب تھا کہ آپ اپنی مرضی سے اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ وادیٔ مکّہ ایک بے آب وگیاہ جنگل ہے اور وہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں ملتا۔ اپنی بیوی اور بچے کو وہاں چھوڑ آئیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہوتے تو آپ نے اپنی نیکی اور تقویٰ کے ساتھ اپنے گرد لوگوں کا ایک گروہ جمع کر لیا۔ اور انہیں نماز اور زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کی تحریک کر کے اور اسی طرح عمرہ اور حج کے طریق کو جاری کر کے آپ نے مکّہ کو آباد کرنا شروع کیا۔ چنانچہ ان کی قربانیوں کے نتیجہ میں صدیوں سے مکّہ آباد چلا آتا ہے قریبًا تین ہزار سال سے برابر خانہ کعبہ آباد ہے اور اس کا طواف اور حج کیا جاتا ہے۔

پس عیدالاضحیہ کی قربانی بے شک اس قربانی کی یاد دلاتی ہے، مگر اس قربانی کی یاد نہیں دلاتی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری شکل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری پھیر دی۔

درحقیقت قربانیوں کی عید ہمیں اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کی خاطر اور اس کے بعد دین کے لئے جنگلوں میں جائیں اور وہاں جا کر خدا تعالےٰ کے نام کو بلند کریں۔ اور لوگوں سے اس کے رسول کا کلمہ پڑھوائیں جیسا کہ ہمارے صوفیاء کرام کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقینًا ہماری قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ہوگی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ قربانی بالکل حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی طرح ہو جائے گی کیونکہ دلوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دل کی حالت اَور تھی اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کے دلوں کی حالت اور ہے مگر بہرحال وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ ضرور ہو جائیگی پس تم اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش کرو۔ میرے نزدیک اس زمانہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے مشابہ قربانی وہ مبلغ کر رہے ہیں جو مشرقی اور مغربی افریقہ میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ وہ غیر آباد ملک ہیں جن میں کوئی شخص خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کا نام نہیں جانتا تھا لیکن ان لوگوں نے وہاں پہنچکر انہیں خدا تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کا نام بتایا۔ مَیں پہلے بھی ایک خطبہ میں بتا چکا ہوں کہ مغربی افریقہ کے ایک ملک میں عیسائیوں نے اپنے پریس میں احمدی اخبار کا چھاپنا بند کر دیا تو ہمارے مبلغ انچارج جماعت کا علیحدہ پریس لگانے کے سلسلہ میں چندہ اکٹھا کرنے کے لئے ایک جگہ گئے وہاں انہیں ایک ایسا آدمی ملا جسے انہوں نے بڑی تبلیغ کی تھی مگر اس نے احمدیت قبول نہیں کی تھی۔ بعد میں اس کے پاس ایک مقامی مبلغ پہنچا تو اس نے کہا کہ تمہارے بڑے پاکستانی مبلغ نے مجھے تبلیغ کی ہے لیکن اگر یہ دریا جو اس وقت ایک دریا کے کنارے جا رہے تھے، اپنا رُخ پھیر کر الٹی طرف چل پڑے تو یہ بات ممکن ہے لیکن میرا احمدیت کو قبول کرنا ناممکن ہے۔

لیکن کچھ دن اس مبلغ کی صحبت میں رہنے کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ احمدی ہو گیا۔ ہمارے مبلغ انچارج کہتے ہیں کہ جب میں وہاں چندہ لینے گیا تو اتفاقاً وہ شخص اس شہر میں آیا ہوا تھا وہ مجھے ملا اور کہنے لگا۔ آپ یہاں کیسے تشریف لائے ہیں۔ مَیں نے اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا اور کہا کہ عیسائیوں نے اپنے پریس میں ہمارا اخبار شائع کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر تمہارے خدا میں کوئی طاقت ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ کوئی معجزہ دکھائے اور تمہارا اپنا پریس جاری کر دے۔ پس میں اپنا علیحدہ پریس لگانے کے لئے چندہ اکٹھا کرنے آیا ہوں۔ اس پر وہ احمدی دوست کہنے لگا مولوی صاحب! یہ تو بڑی بے غیرتی ہے کہ اب ہمارا اخبار ان کے پریس میں چھپے۔ آپ یہاں کچھ دیر انتظار کریں مَیں ابھی آتا ہوں۔ اس کا گاؤں قریب ہی تھا۔ وہ وہاں گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آکر اس نے پانچ سو پونڈ کی رقم مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے دی اور کہا کہ پریس کے سلسلہ میں یہ میرا چندہ ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے اس مد میں ۲۵۰۰ پونڈ کے قریب چندہ جمع ہو چکا ہے۔ اور اب سُنا ہے کہ پریس لگ رہا ہے یا کم از کم وہ انگلستان سے چل چکا ہے۔ غرض ہمارے یہ مبلغ ایسے ممالک میں کام کر رہے ہیں جہاں جنگل ہی جنگل ہیں۔ شروع شروع میں جب ہمارے مبلغ وہاں گئے تو بعض دفعہ انہیں وہاں درختوں کی جڑیں کھانی پڑتی تھیں اور وہ نہایت تنگی سے گذارہ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو جاتی تھی۔ گو اب ہمارے آدمیوں کے میل ملاپ کی وجہ سے ان لوگوں میں کچھ نہ کچھ تہذیب آگئی ہے۔ ان ممالک کو سفید آدمیوں کی قبر کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں کھانے پینے کی چیزیں نہیں ملتیں جب سفید آدمی وہاں جاتے ہیں تو وہ مناسب خوراک نہ ملنے کی وجہ سے مر جاتے ہیں اور پیچش وغیرہ بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غرض اس زمانہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے زیادہ مشابہت ہمارے مبلغوں کو حاصل ہے۔ جو اس وقت مشرقی اور مغربی افریقہ میں کام کر رہے ہیں۔ کیونکہ وہ ملک اس وقت بھی جنگل ہیں اور دنیا میں کوئی اور ملک جنگل نہیں۔ امریکہ بھی آباد ہے یورپ بھی آباد ہے اور مڈل ایسٹ بھی اب آباد ہو چکا ہے لیکن افریقہ کے اکثر علاقے اب بھی غیر آباد ہیں۔ ان میں تبلیغ کرنے والوں کو بڑے بڑے لمبے سفر کرنے پڑتے ہیں اور بڑی جانکاہی کے بعد لوگوں تک اسلام پہنچانا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ملک ہمارے لئے رکھے تھے تا کہ ہمارے نوجوان ان میں کام کر کے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے مشابہت حاصل کریں۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے نوجوان افریقہ کے جنگلات میں بھی کام کر رہے ہیں۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس ملک میں بھی اس طریق کو جاری کیا جا سکتا ہے چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اگر کچھ نوجوان ایسے ہوں جن کے دلوں میں یہ خواہش پائی جاتی ہو کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین صاحب چشتیؒ اور حضرت

شہاب الدین صاحب سہروردیؒ کے نقشِ قدم پر چلیں تو جس طرح جماعت کے نوجوان اپنی زندگیاں تحریک جدید کے ماتحت وقف کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں براہِ راست میرے سامنے وقف کریں تاکہ مَیں ان سے ایسے طریق پر کام لوں کہ وہ مسلمانوں کو تعلیم دینے کا کام کرسکیں۔ وہ مجھ سے ہدایتیں لیتے جائیں اور اس ملک میں کام کرتے جائیں۔ ہمارا ملک آبادی کے لحاظ سے ویران نہیں لیکن رُوحانیت کے لحاظ سے بہت ویران ہو چکا ہے۔ اور آج بھی اس میں چشتیوں کی ضرورت ہے سہروردیوں کی ضرورت ہے نقشبندیوں کی ضرورت ہے اگر یہ لوگ آگے نہ آئے اور حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ۔ حضرت شہاب الدین صاحب سہروردیؒ اور حضرت فرید الدین صاحب شکر گنجؒ جیسے لوگ پیدا نہ ہوئے تو یہ ملک رُوحانیت کے لحاظ سے اور بھی ویران ہو جائے گا۔ بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ ویران ہو جائیگا جتنا مکہ مکرمہ کسی زمانہ میں آبادی کے لحاظ سے ویران تھا۔ پس میں چاہتا ہوں کہ جماعت کے نوجوان ہمت کریں اور اپنی زندگیاں اس مقصد کے لئے وقف کریں وہ صدر انجمن احمدیہ یا تحریک جدید کے ملازم نہ ہوں۔ بلکہ اپنے گذارہ کے لئے وہ طریق اختیار کریں جو مَیں انہیں بتاؤں گا اور اس طرح آہستہ آہستہ دُنیا میں نئی آبادیاں قائم کریں۔ اور طریق آبادی کا یہ ہوگا کہ وہ حقیقی طور پر تو نہیں ہاں معنوی طور پر ربوہ اور قادیان کی محبت اپنے دل سے نکال دیں اور باہر جاکر نئے ربوے اور نئے قادیان بسائیں۔ ابھی اس ملک کے کئی علاقے ایسے ہیں جہاں میلوں میل تک کوئی بڑا قصبہ نہیں وہ جاکر کسی ایسی جگہ بیٹھ جائیں اور حسبِ ہدایت وہاں تبلیغ بھی کریں اور لوگوں کو تعلیم بھی دیں۔ لوگوں کو قرآن کریم اور حدیث پڑھائیں اور اپنے شاگرد تیار کریں جو آگے اور جگہوں پر پھیل جائیں۔ اس طرح سارے ملک میں وہ زمانہ دوبارہ آجائیگا جو پُرانے صوفیاء کے زمانہ میں تھا۔

دیکھو ہمت والے لوگوں نے پچھلے زمانہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ یہ دیوبند جو ہے یہ ایسے ہی لوگوں کا قائم کیا ہوا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتویؒ نے حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ کی ہدایت کے ماتحت یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اور آج سارا ہندوستان ان کے علم سے منور ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہ زمانہ حضرت معین الدین صاحب چشتیؒ کے زمانہ سے کئی سو سال بعد کا تھا لیکن پھر بھی روحانی لحاظ سے وہ اس سے کم نہیں تھا جبکہ ان کے زمانہ میں اسلام ہندوستان میں ایک مسافر کی شکل میں تھا۔ اس زمانہ میں بھی وہ ہندوستان میں ایک مسافر کی شکل میں ہی تھا حضرت سیّد احمد صاحب بریلویؒ نے اپنے شاگردوں کو ملک کے مختلف حصوں میں بھجوایا جن میں سے ایک ندوہ کی طرف بھی آیا پھر ان کے ساتھ اور لوگ مل گئے اور ان سب نے اس ملک میں دین اور اسلام کی بنیادیں مضبوط کیں۔ اب چاہے ان کی اولاد خراب ہو گئی ہے۔

---

* دارالعلوم دیوبند مراد ہے جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام پر قاسم العلوم کہلاتا ہے اس مدرسے کے اصل محرک مولوی فضل الرحمٰن صاحب تھے اور روداد اساتذہ بعد میں مولانا نانوتوی کی سرپرستی میں اسے بہت فروغ حاصل ہوا۔ (موج کوثر صفحہ ۲۲۵ مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۵۸ء)

اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو بچائے کہ وہ خراب نہ ہوں) لیکن ان کی اولادوں کی خرابی ان کے اختیار میں نہیں تھی۔ انہوں نے تو جس حد تک ہو سکا دین کی خدمت کی بلکہ جہاں تک صُلبی اولاد کا تعلق تھا مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی اولاد پھر بھی دوسروں سے بہت بہتر ہے۔ مَیں جب ندوہ[1] دیکھنے گیا۔ تو مولویوں نے ہماری بڑی مخالفت کی۔ مگر مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بیٹے یا پوتے جو اُن دنوں ندوہ کے منتظم تھے انہوں نے میرا بڑا ادب کیا۔ اور مدرسہ والوں کو حکم دیا کہ جب یہ لوگ آئیں تو ان سے اعزاز کے ساتھ پیش آئیں۔ بعد میں انہوں نے میری دعوت بھی کی لیکن میں پیچش کی وجہ سے اس دعوت میں شریک نہ ہو سکا۔ میرے ساتھ اس سفر میں مولوی سیّد سرور شاہ صاحبؓ۔ حافظ روشن علی صاحبؓ اور قاضی سیّد امیر حسین صاحبؓ بھی تھے اس سے پتہ لگتا ہے کہ ان کے اندر ابھی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ والی شرافت باقی تھی اگر ان میں وہ شرافت نہ ہوتی تو ہمارے جانے پر جیسے اور مولویوں نے مظاہرے کئے تھے وہ بھی مظاہرہ کرتے لیکن انہوں نے مظاہرہ نہیں کیا۔ اور بڑے ادب سے پیش آئے اور بڑی محبت کے ساتھ انہوں نے ہماری دعوت کی اور استقبال کیا۔ بعد میں انہوں نے مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کو ہمارے پاس بھجوایا اور معذرت کی کہ مجھے پتہ لگا ہے کہ بعض مولویوں نے آپ سے گستاخانہ کلام کیا ہے مجھے اس کا بڑا افسوس ہے مَیں انہیں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ ایسا نہ کیا کریں لیکن وہ سمجھتے نہیں۔ اس وقت مولوی عبید اللہ صاحب سندھی جو بڑے متمدّن اور مہذب آدمی تھے ان کے مشیر کار تھے۔ اور وہ مولوی صاحب کا بڑا لحاظ کرتے تھے اور انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی باتیں مانتے تھے لیکن اصل بات یہی ہے کہ ماننے والے کے اندر جب تک اطاعت کا مادہ نہ ہو تو چاہے اسے کوئی کتنا بڑا آدمی ہی کیوں نہ مل جائے۔ وہ مفید نہیں ہو سکتا۔ مولوی محمد قاسم صاحبؒ کے یہ بیٹے یا پوتے جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کا نام غالباً محمد یا احمد تھا۔ مولوی عبید اللہ صاحب سندھی انہیں ہمیشہ صحیح مشورہ دیتے رہتے تھے اور وہ ان سے ایسا کام لیتے تھے جس سے اسلامی اخلاق صحیح طور پر ظاہر ہوں۔ چنانچہ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ انہوں نے میرا بڑا ادب کیا اور دعوت کی اور بعد میں مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کو میرے پاس بھیجکر معذرت کی کہ بعض مولویوں نے آپ کے ساتھ گستاخانہ کلام کیا ہے جس کا مجھے افسوس ہے آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔ تو ہماری جماعت کے لئے اس ملک میں بھی ابھی صوفیاء کے طریق پر کام کرنے کا موقعہ ہے جیسا کہ دیوبند کے قیام کے زمانہ میں ظاہری آبادی تو بہت تھی لیکن روحانی آبادی کم ہو گئی تھی۔ روحانی آبادی کی کمی کی وجہ سے مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے دیکھ لیا تھا کہ یہاں اب رُوحانی نسل جاری کرنی چاہیئے تاکہ یہ علاقہ اسلام اور رُوحانیت کے

---

[1] اس سے مراد دارالعلوم ندوہ لکھنؤ ہے جس کو مولانا سیّد محمد علی صاحب کانپوری نے ۱۸۹۴ء میں قائم کیا اسے ندوۃ العلماء بھی کہتے ہیں مولانا شبلی نعمانی کی سرپرستی

نور سے منور ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے بڑا کام کیا۔ جیسے ان کے پیر حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ نے بڑا کام کیا تھا اور جیسے ان کے ساتھی حضرت اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے بزرگ اعلیٰ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے بڑا کام کیا تھا۔ یہ سارے کے سارے لوگ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ درحقیقت ہر زمانہ کا فرستادہ اور خدا تعالیٰ کا مقرب بندہ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے (باقی انبیاء اپنے اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے) سید احمد صاحب سرہندیؒ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے اور حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے۔ پھر دیوبند کے جو بزرگ تھے وہ اپنے زمانہ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے انہوں نے اپنے پیچھے ایک نیک ذکر دنیا میں چھوڑا ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ اسے یاد رکھنا چاہیئے اور اس کی نقل کرنی چاہیئے۔ سو آج بھی زمانہ ہے کہ ہمارے وہ نوجوان جن میں اس قربانی کا مادہ ہو کہ وہ اپنے گھر بار سے علیحدہ رہ سکیں۔ بے وطنی میں ایک نیا وطن بنائیں اور پھر آہستہ آہستہ اس کے ذریعہ سے تمام علاقہ میں نور اسلام اور نور ایمان پھیلائیں اپنے آپ کو اس غرض کے لئے وقف کریں۔ میرے نزدیک یہ کام بالکل ناممکن نہیں بلکہ ایک سکیم میرے ذہن میں آ رہی ہے۔ اگر ایسے نوجوان تیار ہوں جو اپنی زندگیاں تحریک جدید کو نہیں بلکہ میرے سامنے وقف کریں اور میری ہدایت کے ماتحت کام کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ خدمتِ اسلام کا ایک بہت بڑا موقعہ اس زمانہ میں ہے جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے زمانہ میں تھا یا جیسا کہ حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ اور دوسرے صوفیاء یا اولیاء کے زمانہ میں تھا۔"

(الفضل یکم اگست ۱۹۵۷ء)

۱؎ ۔ الصّٰفّٰت ۳۷: ۱۰۸، سنن ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب ثواب الاضحیۃ

۲؎ ۔ تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صفحہ ۲۲۴

۳؎ ۔

۴؎ ۔ انچارج مبلغ مکرم مولانا محمد صدیق صاحب امرتسری۔ اخبار کا نام "دی افریقن کریسنٹ" اور افریقن دوست جن کا یہاں ذکر ہے۔ مکرم حاجی چیف قاسم کمانڈا صاحب ہیں۔

۵؎ ۔ تاریخ احمدیت جلد ۸ صفحہ ۴۰۹

۶؎ ۔ "INSIDE AFRICA" by John Gunther Page 720. London 1955.

۷؎ ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء ۔ ۶۲۳ھ / ۱۲۳۶ء)

۸؎ ۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (۵۳۹ھ/۱۱۴۵ء ۔ ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء)

۹؎ ۔ حضرت فریدالدین باباشکر گنج رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء ۔ ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء)

۱۰؎ ۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۳ء ۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۹ء)

۱۱؎ ۔ تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۱۷

۱۲؎ ۔ ناظم مدرسہ مولوی محمد احمد صاحب تھے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے خلف الرشید تھے (تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۴۲۲)

۱۳؎ ۔ حضرت سید سرور شاہ صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق نوٹ صفحہ ۱۶۲ پر ملاحظہ ہو۔

۱۴؎ ۔ حضرت حافظ روشن علی صاحب (۱۸۸۲ ۔ ۱۹۲۹ء)

۱۵؎ ۔ حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب رضی اللہ عنہ (۔۔۔۔ ۔ ۱۹۳۰ء)

۱۶؎ ۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی (۱۸۷۲ء ۔ ۱۹۴۴ء) برصغیر پاک و ہند کے مشہور عالم دین تھے۔

۱۷؎ ۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ (۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء ۔ ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) برصغیر پاک و ہند کے ممتاز عالم دین محدث اور مفسر تھے آپ کئی مشہور کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

۱۸؎ ۔ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی (۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء ۔ ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء)

۱۹؎ ۔ "وقفِ جدید" کی طرف اشارہ ہے جس کے اجراء کا اعلان حضور رضی اللہ عنہ نے ۱۹۵۷ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر کیا تھا۔ (الفضل ۷ جنوری ۱۹۵۸ء) اس کی تفصیلات حضور نے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ جنوری ۱۹۵۸ء (مطبوعہ الفضل ۲۰ جنوری ۱۹۵۸ء) میں جماعت کے سامنے رکھیں۔ وقفِ جدید انجمن احمدیہ کا باقاعدہ قیام ۱۹ جنوری ۱۹۵۸ء کو عمل میں آیا۔